۱۲۰ گرداب پر تھا شعلۂ جوالہ کا گماں انگارے تھے حباب تو پانی شرر فشاں
مُنھ سے نکل پڑی تھی ہر اک موج کی زباں تہ پر تھے سب نہنگ، مگر تھی لبوں پہ جاں
پانی تھا آگ گرمیِ روزِ حساب تھی
ماہی جو سیخِ موج تک آئی کباب تھی

۱۲۱ آئینۂ[۱۰۱] فلک کو نہ تھی تاب و تب کی تاب چھپنے کو برق چاہتی تھی دامنِ سحاب
سب سے سوا تھا گرم مزاجوں کو اضطراب کافورِ صبح ڈھونڈھتا پھرتا تھا آفتاب
بھڑکی تھی آگ گنبدِ چرخِ[۱۰۲] اثیر میں
بادل چھپے تھے سب کرۂ[۱۰۳] زمہریر میں

۱۲۲ اس دھوپ میں کھڑے تھے اکیلے شہِ اممؑ[۱۰۴] نے دامنِ رسولؐ تھا نے سایۂ علم
شُعلے جگر سے آہ کے اُٹھتے تھے دمبدم اودے تھے لب زبان میں کانٹے کمر میں خم
بے آب تیسرا تھا جو دن میہمان کو
ہوتی تھی بات بات میں لکنت زبان کو

۱۲۳ گھوڑوں کو اپنے کرتے تھے سیراب سب سوار آتے تھے اونٹ گھاٹ پہ باندھے ہوئے قطار
پیتے تھے آبِ نہر، پرند آ کے بے شمار سقے زمیں پہ کرتے تھے چھڑکاؤ بار بار
پانی کا دام و دد[۱۰۵] کو پلانا ثواب تھا
اک ابنِ فاطمہؑ کے لیے قحطِ آب تھا

۱۲۴ سر پر لگائے تھا پسرِ سعد چترِ زر خادم کئی تھے مروحہ[۱۰۶] جنباں اِدھر اُدھر
کرتے تھے آبپاش مکرّر زمیں کو تر فرزندِ فاطمہؑ پہ نہ تھا سایۂ شجر
وہ دھوپ دشت کی، وہ جلال آفتاب کا
سونلا گیا تھا رنگ مبارک جناب کا

۱۲۵ کہتا تھا ابنِ سعد کہ اے آسماں جناب بیعت جو کیجے اب بھی، تو حاضر ہے جامِ آب
فرماتے تھے حسینؑ کہ او خانماں خراب دریا کو خاک جانتا ہے[ب-۱] ابنِ بوتراب
فاسق ہے، پاس کچھ تجھے اسلام کا نہیں
آبِ بقا ہو[ج-۱] یہ تو مرے کام کا نہیں

کہہ دوں تو خوان لے کے خود آئیں ابھی خلیلؑ ۱۲۶ چاہوں تو سلسبیل[۱۰۹] کو دم میں کروں سبیل[۱۱۰]
کیا جام آب کا، تُو مجھے دے گا او ذلیل بے آبرو، خسیس[۱۱۱]، ستمگر دنی، بخیل

جس پھول پر پڑے ترا سایہ وہ بو نہ دے
کھلوائے فصد تُو تو کبھی رگ لہو نہ دے

گر جم[۱۱۲] کا نام لوں تو ابھی جام لے کے آئے ۱۲۷ کوثر[۱۱۳] یہیں رسولؐ کا احکام لے کے آئے
رُوح الامینؑ زمیں پہ مرا نام لے کے آئے لشکر ملک کا فتح کا پیغام لے کے آئے

چاہوں جو انقلاب تو دنیا تمام ہو
اُلٹے زمین یوں کہ نہ کوفہ نہ شام ہو

فرما کے یہ نگاہ جو کی سوئے ذوالفقار ۱۲۸ تھرّا کے پچھلے پانوں ہٹا وہ ستم شعار
مظلوم پر صفوں سے چلے تیر بے شمار آواز کوسِ حرب[۱۱۴] ہوئی آسماں کے پار

نیزے اُٹھا کے جنگ پہ اسوار تُل گئے
کالے نشان فوجِ سیہ رو کے کھُل گئے

وہ دھوم طبلِ جنگ کی وہ بوق کا خروش ۱۲۹ کر[۱۱۵] ہو گئے تھے شور سے کروبیوں کے گوش
تھرّائی یوں زمیں کہ اُڑے آسماں کے ہوش نیزے ہلا کے نکلے سواران درع پوش

ڈھالیں تھیں یوں سروں پہ سوارانِ شوم کے
صحرا میں جیسے آئے گھٹا جھوم جھوم کے

تُو پڑھ[۱۱۶] کے چند شعرِ رجز شاہ دیں بڑھے ۱۳۰ گیتی کے تھام لینے کو روح الامینؑ بڑھے
مانندِ شیرِ نر کہیں ٹھہرے کہیں بڑھے گویا علیؑ اُلٹتے ہوئے آستیں بڑھے

جلوہ دیا جری نے عروسِ مصاف کو
مشکل کشا کی تیغ نے چھوڑا غلاف کو

کاٹھی سے اس طرح ہوئی وہ شعلہ خُو جدا ۱۳۱ جیسے کنارِ شوق سے ہو، خوب رُو جدا
مہتاب سے شعاع جدا، گل سے بو جدا سینے سے دم جدا، رگِ جاں سے لہو جدا

گرجا جو رعد، ابر سے بجلی نکل پڑی
محمل میں دم جو گھٹ گیا لیلیٰ نکل پڑی

آئے حسینؑ یوں کہ عقاب آئے جس طرح ۱۳۲ آہو پہ شیرِ[116] شرزہ[(۱-۵)] غاب[117] آئے جس طرح
تابندہ برق سوئے سحاب آئے جس طرح دوڑا فرس نشیب میں، آب آئے جس طرح
یوں تیغِ تیز کوند گئی اس گروہ پر
بجلی تڑپ کے گرتی ہے جس طرح کوہ پر

گرمی میں تیغِ برق جو چمکی شرر اُڑے ۱۳۳ جھونکا چلا ہوا کا جوشن سے تو سر اُڑے
پرکالۂ سپر جو اِدھر اور اُدھر اُڑے روح الامیں نے صاف یہ جانا کہ پر اُڑے
ظاہر نشان اسمِ عزیمت[118] اثر ہوئے
جن پر علی لکھا تھا، وہی پر سپر ہوئے

جس پر چلی وہ تیغ دو پارا کیا اُسے ۱۳۴ کھنچتے ہی چار ٹکڑے دوبارا کیا اُسے
واں تھی جدھر اجل نے اشارا کیا اُسے سختی بھی کچھ پڑی تو گوارا کیا اُسے
نے زین تھا فرس، پہ نہ اسوار زین پر
کڑیاں زرہ کی بکھری ہوئی تھیں زمین پر

آئی چمک کے غول پہ جب سر گرا گئی ۱۳۵ دم میں جمی صفوں کو برابر گرا گئی
ایک ایک قصرِ تن کو، زمین پر گرا گئی سیل آئی زور شور سے جب، گھر گرا گئی
آ پہونچا اس کے گھاٹ پہ جو مر کے رہ گیا
دریا لہو کا تیغ کے[119] پانی سے بہ گیا

یہ آبرو یہ شعلہ فشانی خدا کی شاں ۱۳۶ پانی میں آگ آگ میں پانی خدا کی شاں
خاموش اور تیز زبانی خدا کی شاں استادہ آب میں یہ روانی خدا کی شاں
لہرائی جب اُتر گیا دریا بڑھا ہوا
نیزوں تھا ذوالفقار کا پانی چڑھا ہوا

قلب[120] و جناح میمنہ و میسرا تباہ ۱۳۷ گردن کشانِ اُمّتِ خیرالورا تباہ
جنباں زمیں، صفیں تہ و بالا، پرا تباہ بے جان جسم، روحِ مسافر سرا تباہ
بازار بند ہو گئے جھنڈے اُکھڑ گئے
فوجیں ہوئیں تباہ محلے اُجڑ گئے

اللہ ری تیزی و برّش، اُس شعلہ رنگ کی ۱۳۸ چمکی سوار پر، تو خبر لائی تنگ کی
پیاسی فقط لہو کی، طلب گار جنگ کی حاجت نہ سان کی تھی اُسے اور نہ سنگ کی
خوں سے فلک کو لاشوں سے مقتل کو بھرتی تھی
سو بار دم (ز-۱) میں چرخ پہ چڑھتی اُترتی تھی

تیغِ خزاں تھی، گلشنِ ہستی سے کیا اُسے ۱۳۹ گھر جس کا خود اُجڑ گیا، بستی سے کیا اُسے
وہ حق نما تھی، کفر پرستی سے کیا اُسے جو آپ سر بلند ہو، پستی سے کیا اُسے
کہتے ہیں راستی جسے وہ خم کے ساتھ ہے
تیزی زبان کے ساتھ برّش دم کے ساتھ ہے

سینے پہ چل گئی تو کلیجہ لہو ہُوا ۱۴۰ گویا جگر میں موت کا ناخن فرو ہُوا
چمکی تو الامان کا، غل چار سو ہُوا جو اُس کے مُنہ پہ آ گیا، بے آبرو ہُوا
رُکتا تھا ایک وار نہ دس سے نہ پانچ سے
چہرے سیاہ ہو گئے تھے، اُس کی آنچ سے

بچھ بچھ گئیں صفوں پہ صفیں وہ جہاں چلی ۱۴۱ چمکی تو اس طرف ادھر آئی وہاں چلی
دونوں طرف کی فوج پکاری کہاں چلی اس نے کہا یہاں وہ پکارا وہاں چلی
منہ کس طرف ہے تیغ زنوں کو خبر نہ تھی
سر گر رہے تھے اور تنوں کو خبر نہ تھی

دشمن جو گھاٹ پر تھے وہ دھوتے تھے جاں سے ہاتھ ۱۴۲ گردن سے سر الگ تھا جدا تھے نشاں سے ہاتھ
توڑا کبھی جگر کبھی چھیدا سناں سے ہاتھ جب کٹ کے گر پڑیں تو پھر آئیں کہاں سے ہاتھ
اب ہاتھ دستیاب (ح-۱) نہیں منہ چھپانے کو
ہاں پاؤں رہ گئے ہیں (ط-۱) فقط بھاگ جانے کو

اللہ رے خوفِ تیغ شہِ کائنات کا ۱۴۳ زہرہ تھا آب خوف کے مارے فرات کا
دریا پہ حال یہ تھا ہر اک بد صفات کا چارہ فرار کا تھا نہ یارا ثبات کا
غُل تھا کہ برق گرتی ہے ہر درع پوش پر
بھاگو خدا کے قہر کا دریا ہے جوش پر

ہر چند مچھلیاں تھیں زرہ پوش سربسر ۱۴۴ منہ کھولے چھپتی پھرتی تھیں لیکن اِدھر اُدھر
بھاگی تھی موج چھوڑ کے گرداب کی سپر تھے تہ نشیں نہنگ، مگر آب تھے جگر
دریا نہ تھمتا، خوف سے اس برق تاب کے
لیکن پڑے تھے پاؤں میں چھالے حباب کے

آیا خدا کا قہر جدھر سَن سے آگئی ۱۴۵ کانوں میں الاماں کی صدا رَن سے آگئی
دو کر کے خود، زین پہ جوشن سے آگئی کھینچتی ہوئی زمین پہ، توسن سے آگئی
بجلی گری جو خاک پہ تیغِ جناب کی
آئی صدا زمین سے یا بوترابؑ کی

پس پس کے کش مکش سے کماندار مر گئے ۱۴۶ چلّے تو سب چڑھے رہے بازو اتر گئے
گوشے کٹے کمانوں کے تیروں کے پر گئے مقتل میں ہو سکا نہ گزارا گزر گئے
دہشت سے ہوش اڑ گئے تھے مرغِ[ق-۱] وہم کے
سوفار کھول دیتے تھے منہ سہم سہم کے

تیر افگنی کا جن کی ہر اک شہر میں تھا شور ۱۴۷ گوشہ کہیں نہ ملتا تھا ان کو سوائے گور
تاریک شب میں جن کا نشانہ تھا پائے مور[۱۲۱] لشکر میں خوف جاں نے انہیں کر دیا تھا کور
ہوش اڑ گئے تھے فوجِ ضلالت نشاں کے
پیکاں میں زہ کو رکھتے تھے سوفار جاں کے

صف پر صفیں پروں پہ پرے پیش و پس گرے ۱۴۸ اسوار پر سوار فرس پر فرس گرے
اُٹھ کر زمیں سے پانچ جو بھاگے تو دس گرے مخبر[۱۲۲] پہ پیک[۱۲۳]، پیک پہ مر کر عسس[۱۲۴] گرے
ٹوٹے پرے شکست بنائے ستم ہوئی
دنیا میں اس طرح کی بھی افتاد کم ہوئی

غصے تھا شیرِ شرزۂ صحرائے کربلا ۱۴۹ چھوڑے تھا گرگ، منزل و ماوائے کربلا
تیغِ علی تھی معرکہ آرائے کربلا خالی نہ تھی سروں سے کہیں جائے کربلا
بستی بسی تھی مردوں کے قریے اُجاڑ تھے
لاشوں کی تھی زمین سروں کے پہاڑ تھے

غازی نے رکھ لیا تھا جو شمشیر کے تلے ۱۵۰ تھی طرفہ کش مکش، فلک پیر کے تلے
چلّے سمٹ کے جاتے تھے، زہ گیر کے تلے چھپتی تھی سر جھکائے (ک-۱) کماں تیر کے تلے
اس تیغِ بے دریغ کا، جلوہ کہاں نہ تھا؟
سہمے تھے سب پہ گوشۂ امن و اماں نہ تھا

چاروں طرف کمان کیانی کی وہ ترنگ [۱۲۵] ۱۵۱ رہ رہ کے ابرِ شام سے تھی بارشِ خدنگ
وہ شور و صیحہ [۱۲۶] فرس [۱۲۷] ابلق و سرنگ [۱۲۸] وہ لوں وہ آفتاب کی تابندگی وہ جنگ
پھنکتا تھا دشت کیں کوئی دل تھا نہ چین سے
اس دن کی تاب و تب کوئی پوچھے حسینؑ سے

سقے پکارتے تھے یہ مشکیں لیے اُدھر ۱۵۲ بازارِ جنگ گرم ہے، ڈھلتی ہے دوپہر
پیاسا جو ہو، وہ پانی سے ٹھنڈا کرے جگر مشکوں پہ دوڑ دوڑ کے گرتے تھے اہلِ شر
کیا آگ لگ گئی تھی جہانِ خراب کو
پیتے تھے سب، حسینؑ تڑپتے تھے آب کو

گرمی میں پیاس تھی کہ پھنکا جاتا تھا جگر ۱۵۳ اُف اُف کبھی کہا کبھی چہرے پہ لی سپر
آنکھوں میں ٹیس اٹھی، جو پڑی دھوپ پر نظر جھپٹے کبھی اِدھر کبھی حملہ کیا اُدھر
کثرت عرق کے قطروں کی تھی روئے پاک پر
موتی برستے جاتے تھے مقتل کی خاک پر

سیراب چھپتے پھرتے تھے پیاسے کی جنگ سے ۱۵۴ چلتی تھی ایک تیغ علیؑ لاکھ رنگ سے
چمکی جو فرق پر تو نکل آئی تنگ سے رکتی تھی نے سپر سے نہ آہن نہ سنگ سے
خالق نے منہ دیا تھا، عجب آب و تاب کا
خود، اس [۱۲۹] کے سامنے تھا، پھپھولا حباب کا

سہمے ہوئے تھے یوں کہ کسی کو نہ تھی خبر ۱۵۵ پیکاں کدھر ہے تیر کا سوفار ہے کدھر
مردم کی کش مکش سے کمانوں کو تھا یہ ڈر گوشوں کو ڈھونڈھتی تھیں زمیں پر جھکا کے سر
ترکش سے کھینچے تیر کوئی یہ جگر نہ تھا
سیسر [۱۳۰] (م-۱) پہ جس نے ہاتھ رکھا تن پہ سر نہ تھا